Regd. No. A. 922
Telephone No. 29
Telegram "ANJUMAN"

قیمت سالانہ تین روپیہ
ایک پرچہ دس نئے پیسے
تاریخ اشاعت
۱ ، ۸ ، ۱۵ ، ۲۲

انجمن ترقی اردو ہند کا ہفتہ وار اخبار

ہماری زبان

ایڈیٹر :- آل احمد سرور

جلد ۱۶ | علی گڈھ - ۱۵ دسمبر ۱۹۵۷ ع | شمارہ ۴۷

اردو ٹائپ اور نستعلیق

مجتمل

میں ہماری زبان پابندی سے پڑھتا ہوں بعض اوقات اس میں اردو کی ترویج و ترقی کے سلسلہ میں بڑے دلچسپ مضامین چھپتے ہیں۔ کچھ دن پہلے مذکورہ بالاعنوان سے دو مضمون چھپے تھے، ایک جناب سید شہاب الدین دسنوی کا تھا اور دوسرا جناب حیات اللہ انصاری کا۔ میں نے ان دونوں بزرگوں کو دور سے دیکھا ہے ایک آدھ بار ان کی تقریریں بھی سنی ہیں پہلے سے ان کے متعلق میری کوئی رائے نہیں، البتہ ان کے مضامین پڑھنے کے بعد جو اثر میں نے لیا وہ یہ تھا۔

دسنوی صاحب نے ٹائپ کو رواج دینے کے سلسلے میں جو باتیں کہی ہیں وہ ثبوت کے ساتھ کہی ہیں اور ایک ایک چیز کا تجزیہ کرنے کے بعد فیصلہ ہمارے لئے چھوڑ دیا ہے۔

انصاری صاحب نے اپنے مقدمہ کو پیش کرنے میں حقائق سے زیادہ جذبات سے کام لیا ہے، انھوں نے لیتھو کی حمایت میں بڑی بڑی ایجادوں کے نام تو گنائے ہیں لیکن معقول طریقہ پر نہیں بتایا کہ غریب لیتھو پریس اس کی برداشت بھی کر سکتا ہے یا نہیں۔

انصاری صاحب نے لیتھو کی حمایت میں جن باتوں کو بنیاد بنا کر بحث کی ہے وہ یہ ہیں۔

(۱) اردو خواں طبقہ نستعلیق کا عادی ہے۔ اس کو ٹائپ کا عادی بنانے میں ایک طرف مشکلیں ہیں تو دوسری طرف اس کے لئے ایک لمبی مدت اور کافی رقم درکار ہے۔

(۲) کتابت میں نسبتاً زیادہ مواد کھپایا جا سکتا ہے۔

(۳) فوٹو آفسٹ کی ایجاد نے لیتھو کی پس ماندگی کو دور کر دیا ہے۔

(۴) لیتھو سستا پڑتا ہے۔

(۵) اگر اردو زبان کی طباعت کا کام ٹائپ میں ہو جائے تو پھر غیر مسلم اس کو قرآنی حروف کہہ کر پڑھنا چھوڑ دیں گے۔

پہلی بات کے جواب میں صرف اس قدر کہنا کافی ہے کہ سوچنے کا یہ طریقہ ہی غلط ہے، اگر ابتدا ہی سے آدمی یہ سوچنے کا عادی ہوتا کہ یہ تو بڑا مشکل کام ہے اس پر قابو پانے کے لئے کروڑوں روپے اور لمبی مدت چاہئے، تو دنیا اتنی ترقی نہ کرتی۔ انسان کا چاند پر پہنچنا تو بہت دور کی بات ہے قدرت کی بنائی ہوئی اس سرزمین میں انسان کی حیثیت ان کتوں سے زیادہ کچھ نہ ہوتی جو روسی سیاروں میں سفر کرنے کے لئے تیار کئے جا رہے ہیں۔ مشکل آسان سب اضافی چیزیں ہیں۔ آج جس چیز کو ہم آسان سمجھتے ہیں وہ کل تک مشکل تھی اور جو چیز آج مشکل معلوم ہوتی ہے وہ کل آسان ہو جائے گی۔ عزم و ہمت شرط ہے جو ہمت کر کے آگے بڑھ جاتا ہے وہ منزل کو جا لیتا ہے اور جو پس و پیش میں رہ جاتا ہے وہ کہیں کا نہیں ہوتا۔

دوسری بات جس کو انصاری صاحب نے بہت اہمیت دی ہے وہ ہے مواد کی زیادہ کھپت۔ ادھر قومی آواز کا یہ حال ہے کہ اس کے ۸ صفحوں میں مشکل سے دو صفحے اداریہ، مضامین و اشعار اور تازہ خبروں پر مشتمل ہوتے ہیں باقی چار صفحوں میں شائع ہوتے ہیں ملکی و غیر ملکی اشتہارات، ایک صفحہ بھرتی کی خبریں اور آدھے پون صفحہ تصویریں۔ تصویریں تو کیا ہوتی ہیں، اچھے اچھوں کے منہ پر کالک لگی ہوتی ہے۔ تقریباً یہی حال دوسرے اخبارات کا بھی ہے۔ کیا یہی وہ مواد ہے جس

کی کھپت کے لئے انصاری صاحب لیتھو کی حمایت پر تُلے ہوئے ہیں۔

اگر فرض کریں کہ یہ محض الزامی جواب ہے تو بھی ہم کہتے ہیں کہ مواد کی زیادہ کھپت صرف کتابت میں نہیں ٹائپ میں ہوتی ہے جس طرح ایک کاتب خفی سے خفی قلم میں لکھ سکتا ہے اسی طرح ٹائپ میں بھی کم سے کم پائنٹ کے حروف موجود ہیں۔ اگر مواد زیادہ ہی کھپانا ہے تو انھیں استعمال کیا جا سکتا ہے اس وقت میرے سامنے ایران کے چھپے ہوئے ایک فارسی پرچے "یغما" کے کچھ نمبر ہیں یہ اپنی سائز اور مضامین کے اعتبار سے ہمارے ہاں کے "معارف" و "برہان" کے برابر ہے لیکن اس کے مواد کا یہ عالم کہ اس کے ایک صفحہ کا مواد معارف و برہان کے ڈیڑھ صفحے کے برابر ہوگا۔ پھر پرچہ بھی کافی خوبصورت اور مختلف تصاویر وغیرہ سے مزین ہے۔

تیسری بات جس پر انصاری صاحب نے پورا زور قلم صرف کر دیا ہے وہ ہے فوٹو آفسٹ کی ایجاد۔ میری سمجھ میں یہ بات نہیں آئی کہ لیتھو کی حمایت میں فوٹو آفسٹ پر اس قدر طویل بحث کیوں؟ بے شک وہ ایک ترقی یافتہ ذریعۂ طباعت ہے۔ مگر اس کو لیتھو کے ساتھ مخصوص کر لینا کہاں کی دیانت داری ہے وہ جس طرح لیتھو میں استعمال ہو سکتا ہے اسی طرح ٹائپ میں بھی استعمال ہو سکتا ہے۔

فرض کر لیتے ہیں کہ فوٹو آفسٹ کا تعلق واقعی صرف لیتھو سے ہے مگر کیا انصاری صاحب ذرا واضح طریقے پر بتائیں گے کہ آج کوئی اپنی کتاب یا اخبار اس طرح چھاپنا چاہے تو اس پر کیا لاگت آئے گی۔ آج ہندوستان میں ہزاروں اردو روزنامے، اخبارات اور رسائل چھپتے ہیں، اگر فوٹو آفسٹ واقعی اس قدر ارزاں ہے تو پھر یہ سب فوٹو آفسٹ پر کیوں نہیں چھپتے۔ خود "قومی آواز" اس سے کیوں محروم ہے۔

"آئینہ" کا حشر ہمارے سامنے ہے یہ فوٹو آفسٹ کے ذریعہ ہی چھپتا تھا لیکن جاننے والے جانتے ہیں کہ اتنا عمدہ پرچہ گھاٹے میں چلتا رہا اور اس کے مالک کی مخلصانہ کوششوں کے باوجود یہ سال ڈیڑھ سال سے زیادہ زندہ نہ رہ سکا۔ "شمع" اگر فلمی پرچہ نہ ہوتا اور [illegible] اس کو سہارا نہ دیتے تو وہ بھی کبھی کا غوطہ کھا چکا تھا

سچی بات تو یہ ہے کہ انصاری صاحب قومی آواز کے ایڈیٹر ہیں اور قومی آواز، نیشنل ہیرالڈ اور نوجیون کا ساتھی پرچہ ہے۔ آج سے دس بارہ سال پیشتر جب نیشنل ہیرالڈ کا دوبارہ اجرا ہوا تو اس کے لئے بہتر سے بہتر اور ترقی یافتہ مشنری منگوائی گئی۔ ایسی مشنری اس وقت ہندوستان میں سوائے ٹائمز آف انڈیا کے اور کسی کے پاس نہ تھی۔ اب تو دس بارہ سال بیت گئے اس مشینری میں اور اضافہ ہو گیا ہوگا اور انصاری صاحب کو وہ تمام سہولتیں حاصل ہوں گی جن کا انھوں نے اپنے مضمون میں ذکر کیا ہے۔ اس سے وہ اس خوش فہمی میں مبتلا ہیں کہ ہندوستان کے ہر لیتھو پریس کو یہ سہولتیں حاصل ہیں چنانچہ اردو عبارتوں کے بیچ میں انگریزی اور ہندی عبارتوں کے کھپانے کا طریقہ بتاتے ہوئے لکھتے ہیں۔

"قومی آواز میں آئے دن اسی ترکیب سے دیوناگری کی عبارتیں چھپا کرتی ہیں اس وجہ سے آج تک میرا ذہن اس بات کی طرف نہیں گیا کہ یہ بھی کوئی چیز ہے۔"

ہم کہتے ہیں یہی تو چیز ہے۔ آپ کی طرح کتنے لیتھو پریس ہیں جن کے پاس ہندی اور انگریزی کے ڈھلے ہوئے حروف موجود ہیں ہزاروں ایسے لیتھو پریس دیکھے گئے ہیں جن کے پاس دو چار پتھر اور ایک مشین کے سوا کچھ نہیں۔ ٹائپ کی صورت وہ نہیں جانتے۔ آپ کا نسخہ آزمانے کے لئے غریب جائیں تو کہاں جائیں؟ اس کے برعکس ہر اردو ٹائپ پرنٹنگ مشین والا اپنے پاس ہندی اور انگریزی ٹائپ بھی رکھتا ہے اس کے لئے اردو میں ہندی اور انگریزی عبارتوں کو کھپانا کوئی دشوار نہیں ہے۔

انصاری صاحب کی چوتھی بات کے متعلق صرف اتنا کہنا کافی ہے کہ کوئی چیز جب زیادہ ہو جائے تو سستی ہوتی ہے اور کم ہو تو مہنگی۔ آج لیتھو اس لئے سستا ہے کہ اس کا عام رواج ہے، کتابت کرنے والے مل جاتے ہیں۔ اور اردو کے لئے جگہ جگہ یہی طریقہ طباعت چل رہا ہے۔ کل اگر لیتھو کی جگہ ٹائپ کا رواج ہو جائے تو معاملہ اس کے برعکس ہوگا۔

پانچویں بات یہ کہ انصاری صاحب نے کوئی ایسی مثال نہیں رکھی کیا انھیں یاد نہیں کہ سردار دیوان سنگھ کا ریاست بھی کسی زمانے میں ٹائپ میں چھپتا تھا کسی نے ان پر اعتراض نہیں کیا کہ یہ قرآنی حروف ہیں ہم نہیں پڑھیں گے علاوہ ازیں زبان کے متعلق اب ہندو مسلم کا سوال کہاں رہ گیا ہے آپ خود سکھوں کے ڈر سے اپنی داڑھی چھپا رہے ہوں تو کوئی کیا کر سکتا ہے۔

بہر حال میری اس بحث کا خلاصہ یہ ہے کہ انصاری صاحب نے لیتھو کی حمایت میں جو بھی باتیں کہی ہیں ان کی کوئی اہمیت نہیں ہے۔ یہ ایک فرسودہ طریقہ طباعت ہے اس کو ختم ہونا چاہئے اور جتنی جلد اس کی جگہ ٹائپ لے لے اتنا ہی اچھا ہے۔

خط و کتابت صرف جنرل سکریٹری کے نام کیجئے

ہماری زبان

۱۵، دسمبر ۱۹۵۷ء

پتے کی بات

پروفیسر مجیب نے علی گڑھ مسلم یونیورسٹی کے کانووکیشن کے موقع پر جو خطبہ دیا وہ پُر مغز بھی تھا اور پر کیف بھی۔ اس کا ایک حصہ ہندستانی شہریت کی ذمہ داریوں سے متعلق تھا جس سے سبھی فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ انھوں نے فرمایا:

"اگر آپ طے کریں کہ سودا نہ کریں گے، ہندستانی شہریت کی ذمے داریوں کو بغیر کسی شرط کے قبول کریں گے تو آپ کے لئے ہندستان سے بہتر کوئی ملک نہیں ہے۔ یہاں کی وسعت کو دیکھئے۔ آبادی کو دیکھئے۔ اس غریبی، اس جہالت، اس قدامت پرستی اور تعصب کو دیکھئے جو رفاہ کے ہر کام کو مشکل بنا دیتا ہے تو آپ کے دل پر وہ چوٹیں لگیں گی جو مردوں کے دلوں کو اور کہیں نصیب نہیں ہوتی ہیں۔ یہاں راستے کی دشواریوں اور منزل کی دوری کو دیکھئے تو آپ کے ایمان اور آپ کے صبر کی وہ آزمائش ہوگی جو اور کہیں نہیں ہو سکتی، اور کہیں بھی حال کی ناکامیوں سے اس طرح مستقبل کی ناکامیوں کا یقین پیدا نہیں کیا جا سکتا اور کہیں بھی توفیق دل کو درد آشنا بننے کا ایسا قطعی حکم نہیں دیتی اور کہیں بھی عشق کی بات اس طرح دیوانے میں نہیں کہی جاتی آپ شہریت کا حق دل و جان سے ادا کرنا چاہتے ہوں تو دوسروں کے پاس ووٹ دوڑ کر نہ جائیے، رضا تلاش نہ کیجئے، موتی سیپ کے اندر رہ کر بڑھتا ہے، آب پاتا ہے موتی بننے کی کوئی اور صورت نہیں ہے۔ تسلی اور تسکین کی باتوں سے فریب نہ کھائیے، اپنا خیرخواہ اسی کو سمجھئے جو آپ کے لئے دعا کرے کہ آپ کے کندھے بوجھ اٹھا اٹھا کر مضبوط ہوں۔ آپ کے پاؤں میں طاقت تھکنے سے پیدا ہو۔ آپ کا دل مصیبت کی آنچوں میں سونا بنے۔"

ظاہر ہے وہ اردو کے حامی ہوں یا اور کوئی، ان کا حق اسی وقت انھیں مل سکتا ہے جب وہ فرض کی پہلی منزل یعنی اپنے ملک سے وفاداری، اس سے محبت، اس کے احترام، اس کی شہریت کی ذمے داری سے یہ سبق یہ ما عہدہ برا ہوں۔ محبت استقلال سکھاتی ہے۔ خطروں سے محفوظ رکھتی ہے۔ چھوٹی چھوٹی دشواریوں میں ثابت قدم رکھنا سکھاتی ہے۔ کردار میں فولاد کی صلابت پیدا کرتی ہے ایک عشق میں ثابت قدم رہ کر انسان دنیا کے بہت سے معاملات میں پختگی اور مستقل مزاجی کا ثبوت دے سکتا ہے۔ عاشق نہ "سیاست دربان" سے ڈرتا ہے نہ طعنۂ رقیب سے، اس کا عشق ہی اس کی فضیلت ہو جاتا ہے۔ وطن سے یہ محبت، وطن کے پست و بلند کا احساس دلائے گی، اس میں حق پرستی، انسان دوستی، اخلاقی اور سماجی احساس کو بڑھائے گی، خود غرضی، نفرت، تنگ نظری کو کم کرے گی۔ ایک اچھی لہر بڑھ کر دھارا بن جائے گی اور دریا میں ہیجان برپا کر دے گی۔ راستے میں جو چٹانیں حائل ہوں گی ان کا غرور پاش پاش کر دے گی، دوسری موجوں سے مل کر ایک طوفان کہلائے گی جو آتش اور آخور کو بہائے جاتا ہے اور زمین کو زرخیز کر دیتا ہے۔

غربت، جہالت، قدامت پرستی، تعصب نے واقعی رفاہ عام کے کام کو مشکل اور صبر آزما بنا دیا ہے مگر جن کا عشق سچا اور حوصلہ بلند ہوتا ہے وہ دشواریوں سے گھبراتے نہیں ان کو مردانہ وار مقابلہ کرتے ہیں۔ مخالفت کو خواہ مخواہ بیجا نہیں سمجھتے، اس پر اپنی صداقت واضح کرتے ہیں، طعنوں سے بھڑکتے نہیں، اپنے کام میں برابر مصروف رہتے ہیں۔ ہاں صرف اپنے گوشے میں بیٹھے ہوئے سچی بات کہنے پر قناعت کرنے کے بجائے، سرِ راہے مجمع عام میں، حکومت اور ارباب سیاست کے سامنے بھی اسے دہراتے ہیں، اس کا پرچار کرتے ہیں۔ جو آزادی انھیں ایک جمہوری حکومت نے اپنے خیال کے اظہار کی دی ہے اسے جائز طور پر استعمال کرتے ہیں اور اس پر اصرار کرتے ہیں۔ ہندستان کی رنگا رنگ تہذیب کے ہر رنگ اور ہر جلوے پر فخر کرتے ہیں اور سب کو اس پر فخر کرنا سکھاتے ہیں۔

اردو کی تحریک کو جو لوگ سیاسی سمجھتے ہیں وہ غلطی پر ہیں۔ یہ ایک لسانی اور تہذیبی اور اس سے ایک سماجی تحریک ہے اس تہذیبی اور سماجی تحریک کو ہماری موجودہ سستی سیاست نے سیاسی سمجھ لیا ہے اور یہ سیاسی تعصبات کا شکار ہو رہی ہے۔ ہمیں یقین ہے کہ اردو دوستوں کا خلوص اور عزم، اس تحریک کے حقیقی خط و خال کو واضح کر کے رہے گا اور زمانہ دیکھ

ے گا کہ یہ تحریک ملک و قوم کی کتنی سچی اور گراں قدر خدمت کر رہی ہے۔ شرط یہ ہے کہ اردو دوست بھی حقوق کے لئے مطالبات ہی نہ کریں۔ فرائض کی دشوار گزار لیکن متبرک راہ میں بھی ثابت قدم نظر آئیں۔ پروفیسر مجیب کے بصیرت افروز خیالات سے اس کام میں بہت مدد ملے گی۔

حضرت جوش ملسیانی کا اعزاز

حضرت جوش ملسیانی کی ساٹھ سالہ ادبی خدمات کے اعتراف میں ایک جلسہ دہلی میں منعقد ہوا۔ پنڈت گووند بلبھ پنت وزیر داخلہ نے شاعر موصوف کو ابھینندن گرنتھ پیش کرتے ہوئے کہا کہ اردو ہندوستان کی قومی زبان ہے اس کے لئے یہ اشد ضروری ہے کہ ایسی فضا پیدا کی جائے کہ یہ دوسری علاقائی زبانوں کے ساتھ پروان چڑھ سکے۔ اردو کو صرف مسلمانوں کی زبان سمجھنا جہالت کی دلیل ہے۔ یہ زبان مسلمانوں کی نہیں بلکہ تمام ہندوستانیوں کی ہے اس کی پیدائش اور پرورش بھی ہندوستان اور صرف ہندوستان میں ہوئی۔ پنڈت پنت نے جوش صاحب کی سادگی کی تعریف کرتے ہوئے انہیں درازی عمر کی دعا دی تاکہ وہ اردو اور انسانیت کی اور خدمت کر سکیں۔ انھوں نے کہا کہ جوش صاحب کی ۶۰ سال کی ادبی خدمت اردو زبان میں قابل قدر اضافہ ہے۔ آخر میں پنڈت پنت نے عوام سے اپیل کی کہ وہ اردو کی بقا کے لئے کوشش کریں۔

جناب گوپی ناتھ امن نے جوش صاحب کو خراج تحسین ادا کرتے ہوئے ان کے زبان و بیان کو اعلیٰ معیار کا قرار دیا سفیر ایران جناب علی اصغر حکمت نے جوش صاحب کو نذر عقیدت کے طور پر اپنی دو کتابیں پیش کیں۔ جلسہ میں پروفیسر آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو، پروفیسر تلوک چند محروم، جناب جگن ناتھ آزاد، پنڈت ہری چند اختر کے نام خاص طور پر قابل ذکر ہیں۔ آخر میں مخصوص شعراء نے اپنا کلام سنایا۔

حلقہ شعر و سخن ڈالٹین گنج

سید محمد اسمٰعیل نقوی صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ ڈالٹین گنج (پلاموں) میں سیٹھ عبدالستار صاحب کے مکان پر حلقہ شعر و سخن کا دوسرا طرحی مشاعرہ ہوا جس کی صدارت مولانا شمس نے کی۔ مشاعرے میں طلبہ کے علاوہ اساتذہ نے بھی اپنا کلام سنایا حاضرین کی چائے اور بسکٹ سے ضیافت کی گئی۔

کل ہند اردو کانفرنس

کل ہند اردو کانفرنس کی نہایت سرگرمی سے تیاریاں جاری ہیں۔ اب تک تقریباً ۶۰۰ ممبر بن چکے ہیں۔ مجلس استقبالیہ کی تشکیل کے بعد ممبر سازی کی مہم دوبارہ شروع کی جا رہی ہے۔

مجلس استقبالیہ کل ہند اردو کانفرنس کی مجلس منتظمہ کا ایک جلسہ مورخہ ۱۰ دسمبر ۱۹۵۷ء شام کے ۶ بجے انجمن ترقی اردو شاخ دہلی کے دفتر میں منعقد ہوا۔ مولانا حفظ الرحمٰن صاحب ایم۔پی نے صدارت فرمائی۔ جلسہ شروع ہوتے ہی مولانا سید حسین احمد صاحب مدنی کے وصال پر حسب تجویز تعزیت منظور ہوئی۔

جلسہ میں یہ متفقہ طور پر طے ہوا کہ مجلس استقبالیہ کے صدر جناب مولانا حفظ الرحمٰن صاحب اور جنرل سکریٹری جناب گوپی ناتھ صاحب امن کو یہ اختیار دیا جائے کہ وہ دیگر عہدے داروں کا تقرر فرمائیں و نیز جنوری یا فروری ۱۹۵۸ء کی کوئی تاریخ کل ہند اردو کانفرنس کے انعقاد کے لئے مقرر کر دیں۔ جلسہ میں ممبر سازی کی مہم کو تیز کرنے کے لئے ممبر ساز کمیٹی میں نئے اراکین کا اضافہ ہوا اور مولانا نفیس الدین صاحب کو کمیٹی کا سکریٹری مقرر کیا گیا۔ نیز طے پایا کہ مجلس استقبالیہ کا دفتر اردو بازار جامع مسجد میں قائم کیا جائے قاضی معز الدین احمد صاحب کو دفتر کا ناظم مقرر کیا گیا ہے یہ دفتر فی الحال روزانہ ۳ بجے سے ۸ بجے شب تک کھلے گا۔

حسب ذیل حضرات نے جلسے میں شرکت کی۔

گوپی ناتھ صاحب امن (سابق وزیر دلی اسٹیٹ)، لالہ شام ناتھ صاحب (سابق صدر دہلی میونسپل کمیٹی)۔ سید مظہر امام صاحب (ایم۔پی)، ایم فاروقی صاحب (سکریٹری دلی اسٹیٹ کمیونسٹ پارٹی)، راجہ بہادر گوڑ صاحب (ایم۔پی)، پروفیسر محمد مجیب صاحب (شیخ الجامعہ، جامعہ ملیہ اسلامیہ)، بیگم انیس قدوائی صاحبہ (ایم۔پی)، رام سرن چوہان صاحب (سکریٹری پرجا سوشلسٹ پارٹی دلی اسٹیٹ)، شریمتی سوشیلا (میونسپل کمشنر) اور ڈاکٹر صلاحت اللہ صاحب (پرنسپل استادوں کا مدرسہ، جامعہ نگر دہلی)

ناظم نشر و اشاعت

معزالدین احمد

مراسلات

اعتراض کی خاطر اعتراض

ہماری زبان مورخہ یکم دسمبر ۵۵ء کے حصہ مراسلات میں یہ دیکھ کر افسوس ہوا کہ بعض اصحاب آنکھیں بند کر کے محض اعتراض کی خاطر اعتراض کر دیتے ہیں چنانچہ آنجناب کاشمیری صاحب کے اعتراضات اسی قبیل سے ہیں جن سے ممکن ہے بعض قارئین کو اشتباہ ہو۔ سطور ذیل رفع اشتباہ کی غرض سے درج ہیں۔

(۱) کاشمیری صاحب نے میرے تبصرے (یکم نومبر ۵۵ء) میں "حکم عدولی" پر اعتراض کرتے ہوئے فرمایا کہ یہ "اردو ادب پر داغ" کی حیثیت رکھتا ہے۔ وہ غور سے پڑھتے تو معلوم ہوتا کہ وہ عبارت میری نہیں۔ بلکہ سلطان الاذکار (کتاب زیر تبصرہ) کی تھی جس پر میں نے "تنقید" کی تھی اس میں حکم عدولی آیا ہے جس کو میں خود درست نہیں سمجھتا معترض نے یہ بغیر سمجھے ہوئے کہ عبارت کس کی ہے اعتراض کر دیا وہ عبارت مذکورہ کو پھر پڑھیں اور اس "داغ" کو کالائے بد بریش خاوند کے اصول پر اصل مصنف کی طرف منتقل کر دیں۔

(۲) دوسرا اعتراض یہ ہے کہ فاش غلطی کے بدلے میں فاحش غلطی لکھا گیا ہے۔ اس کے بارے میں عرض یہ ہے کہ "فاش غلطی" عوام کی بول چال ہے زیادہ صحیح "فاحش غلطی" ہی ہے۔ اگرچہ جائز دونوں ہیں۔ فاش آشکار کے معنی میں اور فاحش حد سے بڑھنے والے کے معنی میں برابر آتا ہے عربی میں بولتے ہیں۔ ... "فاحش" ... فارسی میں غبن فاحش غلط فاحش۔ کذب فاحش بکثرت مستعمل ہیں (ملاحظہ ہو فرہنگ جامع فارسی بہ انگلیسی صفحہ ۹۴۳۔ مطبوعہ ایران) اگر عربی و فارسی لغات تک رسائی نہ تھی تو فرہنگ آصفیہ یا نوراللغات ہی کو دیکھ لیتے جن میں لفظ "فاحش" کے تحت فاحش غلطی اور فاحش شکست موجود ہیں۔

اعتراض کے بعد کاشمیری صاحب نے عجب سوقیانہ انداز میں ایک فقرہ لکھا ہے جو ان کے خاص ذہنیت کی غمازی کرتا ہے۔ مناسب نہیں معلوم ہوتا کہ جواب میں ادھر سے بھی اسی ذہنیت کا مظاہرہ کیا جائے بلکہ اس قدر کہنا کافی ہے کہ

[illegible]

آخر میں یہ عرض کر دینا بھی ضروری ہے کہ "تقاضا اور تماشا" کی نسبت جو موصوف نے فرمایا ہے کہ یہ دراصل الف مقصورہ سے تھے یہ بھی صحیح نہیں ہے۔ درحقیقت تقاضہ اور تماشہ بھی غلط ہیں اور تقاضی اور تماشی بھی غلط۔ یہ الفاظ عربی میں تقاضی اور تماشی (یا کے ساتھ) تھے۔ فارسی والوں نے یا کو الف سے بدل لیا۔ لہٰذا فارسی اور اردو میں تقاضا اور تماشا (الف کے ساتھ) درست ہیں۔

امید ہے کہ ان تشریحات کے بعد خلش رفع ہو جائے گی اور الفاظ زیر بحث کے متعلق کوئی اشتباہ باقی نہ رہے گا۔

ضیاء احمد بدایونی

بشیر گرلز اسکول کا قیام

مولوی محمد بشیر الدین صاحب مرحوم کی یاد میں اٹاوہ میں لڑکیوں کا ایک اسکول بشیر گرلز اسکول کے نام سے کھولا گیا ہے اس وقت اسکول میں طالبات کی تعداد پچاس سے زائد ہے فی الحال تین استانیاں کام کر رہی ہیں۔

پانچویں درجے تک تعلیم کا انتظام ہو گیا ہے توقع ہے کہ جولائی ۵۶ء میں چھٹا اور ساتواں درجہ بھی کھول دیا جائے گا۔

مولوی بشیر الدین مرحوم کے احباب اور علم دوست حضرات سے توقع ہے کہ وہ اسکول کی سرپرستی قبول فرمائیں گے۔ راقمہ ہیڈ مسٹریس

حسن عسکری پلکھنوی

ڈاکٹر مسعود حسین خاں کا مقالہ "موجودہ ہندوستان میں اردو کے مسائل" ہماری زبان کے معیار پر ایک اچھا اثر ڈالتا ہے یہ مقالہ فکری اعتبار سے اہم ہونے کے ساتھ ساتھ لہجے کے اعتبار سے بھی کافی اہم ہے لیکن جو لہجہ اپنے دامن میں حقائق رکھتے ہوئے جذبات کو بھڑکائے اس کی آج ضرورت نہیں ہے

۱۵ نومبر ۵۵ء کے ہماری زبان میں "شفیق فاطمہ شعریٰ" کی نظم "گنگا کا اسیر" میں کچھ تاریخی حقیقتوں کو ایک ایسے لب و لہجہ میں پیش کیا گیا ہے جو فکری اور جذباتی اعتبار سے کوئی توانائی رکھتا ہے۔

غیر اردو نام

۱۵ نومبر کے شمارے میں "مسیح اسیری ہوتی خیر البشر" پر تبصرہ ہے۔ مجھے اردو کتابوں کے غیر اردو ناموں پر سخت اعتراض ہے اس سے اردو کی کم مائیگی ظاہر ہوتی ہے حالانکہ اردو کم مایہ زبان نہیں ہے اردو مولفین اور مصنفین کو اس پر توجہ دلانی بہت ضروری ہے۔ یہ بات ان لوگوں کی ہے کہ اردو کو آسان بنانا بہت ضروری ہے اس کے باوجود کتابوں کے غیر اردو نام رکھنا اردو کو مشکل سے مشکل تر بنانا ہے۔ (محمد رحیم دہلوی)

اردو دُنیا

اردو کے ساتھ انصاف

لکھنؤ یونیورسٹی کے شعبۂ اردو فارسی کی ادبی سوسائٹی کا افتتاح کرتے ہوئے جناب کے اے ایس آئیر وائس چانسلر نے کہا کہ اردو ہم سب کا مشترکہ ورثہ ہے اسے ختم کرنے کی کوشش اپنی ہی بیخ کنی کے مترادف ہے یہ بات انتہائی افسوسناک ہے کہ سیاسی حالات بڑھ کر ہمارے ادبی ماحول پر اثر انداز ہوں۔ وائس چانسلر صاحب نے حاضرین کو یقین دلایا کہ اس یونیورسٹی میں اردو کے ساتھ کوئی ناانصافی نہیں کی جائے گی۔

سینٹرل لائبریری کرنول

دکن کے اخباروں میں مطالبہ کیا گیا ہے کہ سینٹرل لائبریری کرنول میں اردو کتابیں جلد از جلد مہیا کی جائیں۔ حکومت کی جانب سے اردو کتابوں کی فراہمی کے لئے پانچ سو روپے دئے جا چکے ہیں لیکن ابھی تک لائبریری مذکورہ میں اردو کتابوں کا انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ اسی سلسلے میں سکریٹری اردو کلب کرنول نے ایک خط سینٹرل لائبریری کرنول کے چیرمین کو لکھا ہے۔

وزیر مدراس کی یقین دہانی

حکومت مدراس کی وزیر تعلیم مسٹر سی سبرامنیم نے مدراس کی قانون ساز کونسل میں کہا کہ مدراس میں ہندی کا جبراً نافذ کرنے کی سختی سے مخالفت کی جائے گی۔ ہندی کو سرکاری زبان کی حیثیت دینے سے پہلے تامل ہندی اور انگریزی کی حیثیت کا الگ الگ تعین کرنا ہوگا۔ تاکہ عوام کے دل سے ہندی کے غلبہ کرنے کا خوف دور ہو۔ سنسکرت اور اردو کے بارے میں انھوں نے کہا کہ ان زبانوں میں تعلیم نصاب کے باہر دی جا سکتی ہے اس کے لئے حکومت ہر ممکن مدد کرے گی۔

بزم ادب جھونجھنوں

بزم ادب جھونجھنوں کا ایک عام جلسہ منوہان پرشاد صاحب وکیل کی صدارت میں منعقد ہوا مقررین نے دوسرے پنج سالہ منصوبہ کے اغراض و مقاصد پر روشنی ڈالی۔

دوسرا پروگرام مشاعرے کا تھا جس کی صدارت ادجھا صاحب کمشنر محکمہ کاشت نے فرمائی ضلع حکام بھی شریک محفل تھے۔ آخر میں ادجھا صاحب نے جنگ آزادی میں اردو شعرا کی خدمات کا اعتراف کیا۔

بہار اسٹوڈنٹس اردو کانگریس

(از پٹنہ) جناب آل احمد سرور جنرل سکریٹری انجمن ترقی اردو ہند کی پٹنہ میں تشریف آوری کے موقعے پر اراکین بہار اسٹوڈنٹس اردو کانگریس نے بتاریخ ۱۰ نومبر پانچ بجے شام کو ان کے اعزاز میں ایک عصرانہ دیا۔ عصرانے میں پٹنہ یونیورسٹی کے اساتذہ اور طلبہ کی کافی تعداد موجود تھی۔ اساتذہ اور طلبہ کے علاوہ پٹنہ کے ہر طبقے کے متعدد حضرات شامل تھے۔

اراکین بہار اسٹوڈنٹس کی طرف سے جناب آل احمد سرور کی خدمت میں ایک سپاسنامہ پیش کیا گیا جناب آل احمد سرور نے سپاسنامہ کے جواب میں تقریر کرتے ہوئے کہا کہ آج کل کالج کے پروفیسر طلبہ کو اپنے عقیدے اور اپنے طریقے کا سائن بورڈ بنانا چاہتے ہیں ان پر اپنے عقیدے کا لیبل چپکانا چاہتے ہیں۔ ان کو ایسا نہیں کرنا چاہیے۔ انھوں نے مزید کہا کہ ٹیگور کے لفظوں میں جب کوئی بچہ پیدا ہوتا ہے تو ایسا معلوم ہوتا ہے کہ قدرت ابھی انسانیت سے نا امید نہیں ہوئی ہے۔ انھوں نے طلبہ کو نصیحت کی اور کہا کہ آج طلبہ کو اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے بہت سی رکاوٹوں کا سامنا کرنا پڑتا ہے لیکن یہ ایک چیلنج ہے اور اس چیلنج سے ان کو نا امید نہیں ہونا چاہیے بلکہ چیلنج تو اسی لئے دیا جاتا ہے کہ کرنے والے میں ایک امنگ اور ایک جذبہ پیدا ہو اس لئے طلبہ کو بھی اس چیلنج سے اپنے دل میں ایک نیا جذبہ پیدا کرنا چاہیے اور اپنے مقصد تک پہنچنے کے لئے نئی راہ پیدا کرنی چاہیے۔ انھوں نے کہا کہ طلبہ کو اپنے جذبہ سے ایک نئی شمع جلانا ہے۔ اس موقع پر جناب پروفیسر شیونندن پرشاد نے بھی تقریر کی۔

اردو شاعروں سے مسٹر گوتم کی درخواست

کانپور ڈی اے وی کالج میں منعقد مشاعرے میں حکومت یو۔پی کے وزیر جناب موہن لال گوتم نے مشاعرے کا افتتاح کرتے ہوئے فرمایا کہ اردو کے ادیبوں اور شاعروں کو دنیا کی بھلائی اور امن کے لئے اپنی فنی صلاحیتوں کا استعمال کرنا چاہیے۔

معاصرین

اردو کانفرنس ——— (معاصر ملاپ سے اقتباس)

آج بھی اردو کو سمجھنے والوں، بولنے والوں اور پڑھنے والوں کی تعداد ملک میں بہت زیادہ ہے اور اس لئے زیادہ ہے کہ اس بھاشا میں اپنے گن ہیں۔ ایک عظیم اور خوبصورت ساہتیہ اس کے پیچھے ہے سیکڑوں نہیں ہزاروں ادیبوں کی محنت ان کا تخیل۔ ان کا زور بیان اس کے پیچھے ہے۔ لیکن اس بھاشا کا بھوشیہ کیا ہے؟ کسی بھی راجیہ نے اسے اپنی راج بھاشا نہیں بنایا۔ راشٹر بھاشا یہ ہے نہیں تو پھر آنے والے دس پندرہ یا بیس برسوں کے بعد اس کی حالت کیا ہوگی؟ کچھ لوگوں نے غلط طور سے اردو کو مسلمانوں کی بھاشا سمجھ لیا رہی سہی کسر آل مسلم لیگ نے پوری کردی۔ جو ۱۹۴۷ء سے پہلے اس ملک میں موجود تھی۔ بھاشا کے سوال پر ایسا تعصب جاگ اٹھا جو بدنصیب اردو کے لئے جان لیوا بن گیا آج وہ تعصب عام طور سے موجود نہیں لیکن ایک عجیب بے رخی تو اردو کے متعلق ہے۔ سب لوگ اردو بولتے ہیں اردو لکھتے ہیں اردو سمجھتے ہیں اردو کے اشعار سمجھ کر جھوم اٹھتے ہیں ان اشعار کی مدد سے اپنی ہی تقریروں اور تحریروں میں اثر پیدا کرتے ہیں۔ لیکن اردو کسی کی زبان رہی نہیں ایک عظیم بھاشا کو جس میں متعدد خوبیاں ہیں۔ جس میں یقینی طور سے ایک عظیم اثر اور ایک عظیم طاقت ہے۔ ہم نے ذاتی ضد سے مرتی ہوئی بھاشا بنادیا ہے ایسے معلوم ہوتا ہے کہ جیسے اس بدنصیب کو تپ دق ہوگیا۔ یہ بچے گی نہیں لیکن کیا ایسا کرنا درست ہے کیا ایسا کرکے ہم خود اپنے ہاتھ سے اپنا گلا نہیں کاٹ رہے ہیں یہ ملک اردو سے نہیں بلکہ اپنے آپ سے ناانصافی کررہا ہے جو اس کا اثاثہ ہے۔ اس ناانصافی کو کس طرح ختم کیا جائے اردو کو کس طرح اس کی جائز جگہ دلائی جائے اور اپنی پونجی کو آپ ہی تباہ کرنے کی اس پالیسی کو کس طرح روکا جائے ان سب باتوں پر غور کرنے کے لئے دسمبر کے آخر میں دہلی کے اندر کل ہند اردو کانفرنس ہو رہی ہے میں چاہتا ہوں کہ اردو کو پیار کرنے والے سب ہی بھائی اسے زیادہ سے زیادہ کامیاب بنانے کی کوشش کریں تاکہ "زبان کشی" کا جو کلنک ہمارے ماتھے پر لگنے والا ہے وہ لگنے نہ پائے۔

سرکاری زبان

کانگریس کے ممتاز ترین لیڈر اور سابق گورنر جنرل مسٹر سی راجگوپال آچاریہ (راجہ جی) نے اپنے ایک مضمون میں تحریر فرمایا ہے کہ یونین کی سرکاری زبان کی حیثیت سے انگریزی کی جگہ ہندی زبان کے ہم پر تسلط کئے جانے کے سوال پر غور کرتے ہوئے اکثر میں نے اپنے سے یہ سوال کیا ہے کہ کیا اسی کے لئے ہم نے قربانیاں دی تھیں اور مصائب برداشت کئے تھے؟ اگر حکمران جماعت کے زیر حکم ایک دور دراز صوبے کی زبان کا انگریزی کی جگہ لینا ضروری ہے۔ اگرچہ ہم سب کے لئے وہ قطعی غیر زبان ہے اور اسے محض اس لئے مسلط کیا جا رہا ہے جیسے وہ بولتے ہیں تو مجھے امید ہے کہ وزیر اعظم (جن کے راستہ خدا کا شکر ہے کہ اب بھی قانون کی حیثیت رکھتے ہیں) یقیناً ہندی کے تسلط کے اس خیال کو ختم کرنے کا فیصلہ کریں گے اور ایک ترمیم کے ذریعے زبان کے مسئلہ پر آئین کی دفعات کو تبدیل کردیں گے۔

مجھے یاد پڑتا ہے کہ کانگریس پارٹی کے جلسے میں ہندی کو سرکاری زبان بنانے کا فیصلہ محض صدر کے خصوصی ووٹ کے ذریعہ عمل میں آیا تھا۔ اور اس جلسے میں خود نہرو نے ہندی کے سرکاری زبان بنائے جانے کے خلاف جنوبی ہند والوں کے ساتھ ووٹ دیا تھا۔

اگر وزیر اعظم ایسا نہیں کرتے اور اس احمقانہ ظلم کو محض اس لئے قائم رہنے دینا چاہتے ہیں کہ ہندوستان کا ایک علاقہ زیادہ گنجان آباد ہے اور وہاں کے لوگ ہندی بولتے ہیں تو مجھے بھی یہ سمجھنا پڑے گا کہ جمہوری سوراج ظلم ثابت ہو رہا ہے۔

میں پھر نہایت سنجیدگی کے ساتھ کہتا ہوں کہ اگر ہم دولت مشترکہ میں شمولیت گوارا کرسکتے ہیں تو ہمیں انگریزی کو ملک کی سرکاری زبان قائم رہنے دینا چاہئے۔

(خلافت بمبئی۔ ۲۷ نومبر ۵۹ء)

انجمن کی خبریں

بھاگل پور (بہار) میں انجمن کی شاخ

بھاگل پور میں اردو دوستوں کا ایک شاندار جلسہ جناب المسیح صاحب وکیل کی صدارت میں ۲۴ نومبر کو منعقد ہوا۔ بہار ریاستی انجمن ترقی اردو کے جنرل سکریٹری مولانا بیتاب صدیقی نے بھی جلسہ میں شرکت کی اور انجمن ترقی اردو کی خدمات اس کی ضرورت نیز شاخوں کے قیام کی افادیت پر تبصرہ کیا۔

ایک تجویز کے ذریعہ ممبر سازی کی نگرانی اور دیگر کاموں کو انجام دینے کے لئے ایک کمیٹی بنائی گئی جس کا کنوینر جناب پروفیسر قمرالتوحید صاحب کو منتخب کیا گیا۔

حسب ذیل حضرات شریک جلسہ ہوئے۔

ڈاکٹر غیاث احمد صاحب اثر۔ پروفیسر قمرالتوحید صاحب پروفیسر احمد حسن صاحب المسیح صاحب وکیل۔ سلیم احمد خان صاحب وکیل۔ محمد ظفر عالم صاحب۔ حافظ محمد اسلم صاحب۔ حمید انجم صاحب۔ محمد شمیم احمد صاحب۔ عبدالجلیل صاحب شاد۔ اے انور صاحب۔ علی محمد صاحب۔ ملا یلانی صاحب محمد شریف صاحب۔ شاکر حسن شاکر صاحب۔ عزم حیدری صاحب محمود الحسن صاحب۔ قمر محسن صاحب۔ سہیل زیدانی صاحب۔

کمرانہ میں اردو تعلیم

مولوی احترام الدین صاحب شاغل سکریٹری انجمن ترقی اردو راجستھان نے ڈائریکٹر تعلیمات راجستھان کی توجہ اپنی ایک تحریر کے ذریعہ سے اس درخواست کی طرف مبذول کرائی ہے کہ کمرانہ کے پرائمری اسکولوں میں اردو تعلیم کے سلسلے میں انسپکٹر مدارس کو دی جا چکی ہے۔ مگر مکرر عوامی درخواستوں پر حکام متعلقہ کے وعدہ وعید کے باوجود اب تک کمرانہ کے پرائمری اسکولوں میں اردو پڑھانے کا مناسب انتظام نہیں کیا گیا ہے۔ حالانکہ ایسے طلبہ کی تعداد بھی کافی ہے اور ان کا مطالبہ بھی مستحق ہے۔

یوم علامہ شبلی مرحوم

انجمن ترقی اردو رشنگھ سیوم شیدپور کی طرف سے زیر صدارت حضرت سالک لکھنوی، ۲۰ نومبر ۱۹۵۵ کو یوم شبلی منایا گیا۔ سردار سنگھ اور مولانا عابدی سیوانی نے مقالے پڑھے۔ پروفیسر منظر شہاب اور سیف تمکین شہری نے تقریریں کیں۔

جناب صدر نے اپنی تقریر میں بتایا کہ علامہ شبلی مرحوم کس بلند مرتبہ کے بزرگ تھے۔ موصوف نے سرسید مرحوم کی تحریک سے علامہ شبلی مرحوم کے اشتراک کی نوعیت پر بحث فرمائی۔

اس کے بعد طرحی مشاعرے کا آغاز ہوا۔ قریب قریب تمام مقامی شعراء شریک جلسہ تھے۔ حضرت مولانا فوق، خادم علی گڑھی۔ سالک لکھنوی۔ منظر شہاب، راکس۔ سعید اختر، ہاشم داؤد حبیبی، سالک، اروی اور مرزا امیر مرشدی بہت کامیاب رہے۔

مرہٹی ادیب کا خیر مقدم

مہاراشٹر کے نامور مرہٹی ادیب جناب اترے کا پر جوش خیر مقدم انجمن ترقی اردو دیگلور کی شاخ کی جانب سے کیا گیا۔ جناب اترے بمبئی اسمبلی کی اپوزیشن پارٹی کے چیف وہپ اور اخبار مراٹھا کے اڈیٹر بھی ہیں۔ انجمن کے نائب صدر جناب کرشن راؤ دیشمکھ پانڈے نے ارکان انتظامی کا تعارف کرایا اور نائب صدر کانگریس مولانا شرف الحق ایڈوکیٹ نے ان کا خیر مقدم کرتے ہوئے انجمن کی جانب سے ایک پرمغز اور مفصل تقریر کی۔ جناب اترے نے انجمن کا شکریہ ادا کرتے ہوئے کہا کہ مہاراشٹر میں اردو کا مستقبل نہایت روشن ہے۔ مہاراشٹر کے عوام کو ہم نے اردو مرہٹی بھائی بھائی کا نعرہ دیا ہے۔ موصوف نے اردو ادیبوں سے اپیل کی کہ وہ مرہٹی ادب کو زیادہ سے زیادہ اردو میں منتقل کریں تاکہ دونوں زبانیں ایک دوسرے سے قریب آسکیں۔

انجمن کی شاخ چندوسی کا انتخاب

ڈاکٹر محمد دین صاحب اطلاع دیتے ہیں کہ انجمن ترقی اردو چندوسی کا جدید انتخاب ۲۴ نومبر کو بحسبِ ذیل عہدہ داران منتخب ہوئے۔

حکیم صدیق احمد صاحب نامی سہسوانی صدر حکیم قاری انعام الحق صاحب دیو بندی۔ نائب صدر ڈاکٹر محمد دین صاحب سکریٹری عبد الماجد خاں صاحب نائب سکریٹری عبد الغفور صاحب انصاری میونسپل کمشنر خزانچی۔

انجمن بارہ مولہ کشمیر

مشعل سلطان پوری صاحب سکریٹری انجمن ترقی اردو شاخ سلطان پورہ کنڈی تحصیل بارہ مولہ اطلاع دیتے ہیں کہ ۲۴ نومبر کو انجمن کا تیسرا ماہانہ اجلاس ہوا۔ مقررہ ممبروں کے علاوہ اور بھی کئی ممبران نے اس میں حصہ لیا۔ اردو کے مختلف ادوار پر روشنی ڈالی گئی مقالات پڑھے گئے۔ اردو ادب کے محسنوں کی سوانح عمریاں پڑھی گئیں اور مندرجہ ذیل حضرات نے اپنی تقاریر سے مستفید فرمایا۔

مشعل سلطان پوری۔ غلام قادر شکیب جناب محمد حق صاحب۔ جناب فرشید صاحب۔ جناب ناوید صاحب۔ غیاث الدین غیاث۔ غلام محمد پریذیڈنٹ۔ اور ناظم صاحب اجلاس تقریباً دس بجے سے شروع ہوکر چار بجے شام کو کامیابی کے ساتھ اختتام پذیر ہوا۔

انجمن کمرانہ کا جلسہ و مشاعرہ

انجمن ترقی اردو کمرانہ کا جلسہ و مشاعرہ زیر صدارت جناب وکیل بدری پرشاد صاحب سوامی B.A.L.L.B بروز منگل مورخہ ۲۶ نومبر کو منعقد ہوا مشاعرہ اور جلسہ میں مندرجہ ذیل حضرات قابل ذکر ہیں۔

جناب وکیل بدری پرشاد صاحب سوامی۔ جناب روشن علی صاحب روغن گر۔ جناب عبد اللہ صاحب۔ جناب پنڈت چھگن لال صاحب شاستری۔ جناب نشتر صاحب کمرانوی۔ جناب خوشتر صاحب کمرانوی۔ جناب عبد الغفور صاحب روغن گر۔ جناب واقف صاحب کمرانوی۔ جناب زینت صاحب۔

محبوبہ اردو

ارشد صدیقی

میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

جانتا ہوں کہ تجھے تیرا وطن پیارا ہے
یہ حسیں رابطۂ گنگ و جمن پیارا ہے
جس چمن میں تو پلی ہے وہ چمن پیارا ہے
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

چھین سکتا نہیں تجھ سے کوئی گلشن تیرا
میری پروازِ تخیل ہے نشیمن تیرا
گنگناتا ہے مرے گیتوں میں ساون تیرا
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

شاخِ گل تیری ہے یہ سرو و سمن تیرے ہیں
یہ بہاریں یہ شگوفے یہ چمن تیرے ہیں
یہ وطن تیرا ہے، ارباب وطن تیرے ہیں
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

علم و فن کو لب گفتار دئے ہیں تو نے
قابلِ رشک قلم کار دئے ہیں تو نے
نئے شاعر نئے معمار دئے ہیں تو نے
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

میں ترے حسن کو بے رنگ نہ ہونے دوں گا
تیرا دامانِ ادب تنگ نہ ہونے دوں گا
میں زبانوں میں کوئی جنگ نہ ہونے دوں گا
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

حادثے آنکھ ملاتے ہیں گزر جاتے ہیں
ایک ہنگامہ اٹھاتے ہیں گزر جاتے ہیں
ایسے طوفاں بہت آتے ہیں گزر جاتے ہیں
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

چھین سکتا نہیں تجھ سے کوئی انداز ترا
مل نہیں سکتا کسی غیر کو اعزاز ترا
میں کہ شاعر ہوں مرے ہاتھ میں ہے ساز ترا
میری محبوب نہ گھبرا کہ ترے ساتھ ہوں میں

نستعلیق اور لیتھو گرافی

(بہ سلسلۂ گزشتہ)

تمکین کاظمی حیدرآباد، دکن

حیدرآباد، دکن میں لیتھو گرافی غدر کے بعد ہی سے شروع ہوئی ابتداً نہایت ہی بھدی اور بڑی ہی بھونڈی چھپائی ہوتی تھی رفتہ رفتہ اس میں حسن پیدا ہوتا گیا۔ حیدرآباد میں بڑے اچھے اچھے خوش نویس تھے اور اب تک ہیں مگر ان لوگوں نے کبھی کاپی نویسی کی طرف توجہ نہیں کی ابتداً غوث الدین نامی ایک خوش نویس نے شمس الاسلام کے نام سے ایک لیتھو پریس جو دیسی ساخت کا تھا قائم کیا اور مطبع رکاب سعادت میں بھی ملازم ہو گئے چنانچہ ابتداً انھوں نے عمر خیام کی رباعیاں بڑی ہی نفیس لکھی۔ پھر مختلف کتابیں لکھتے اور چھاپتے رہے اس طرح نفیس طباعت کی ابتدا انھوں نے کی ایک اور خوش نویس غلام محمد وفا تھے۔ جنھوں نے تاج پریس قائم کیا اور تاج نام سے ایک ماہوار رسالہ بھی مدتوں نکالتے رہے، وفا، اچھے شاعر اور بڑے خوش نویس اور بہترین لیتھو گرافر تھے۔ انھوں نے لیتھو گرافی میں بڑا کمال پیدا کیا اور رنگین طباعت کے بہترین نمونے پیش کئے چنانچہ حیدرآباد کے علم دوست حضرات وفا سے لکھوا کر ان کے تاج پریس میں چھپوانے کے لئے بے چین رہتے تھے۔

جلی خط کے پوسٹر سب سے پہلے وفا ہی نے لکھے اور اپنے پریس میں شائع کئے جو بہت پسند کئے جاتے تھے چنانچہ چوب قلم کہہ کر لوگ انھیں چڑھایا بھی کرتے تھے ان کی اس جدت کو دیکھ کر حیدرآباد کے مشہور آرٹسٹ قیوم نے بھی مصور پوسٹر جلی عبارت کے ساتھ لکھے اور گنگا نام سے انھیں نظام دکن پریس میں شائع کیا، یہ سب سے پہلے تصویری پوسٹر تھے جو ہندوستان میں شائع ہوئے مشہور فلم کار مہراب جی مودی پہلے پہل اپنی ناٹک کمپنی لے کر حیدرآباد آئے اور ملبٹ پیش کیا تو اس کی سین سینری قیوم ہی نے بنائی اور بڑے بڑے پوسٹر مصور بنا کر چوب قلم عبارت بھی لکھی اور دو رنگ میں انھیں اپنی ہی نگرانی میں چھپوایا اس کے بعد قیوم پوسٹر بنانے میں اتنے منہمک ہو گئے کہ ناٹک سنیما وغیرہ کے رنگین پوسٹر ان سے چپک کر رہ گئے۔

بیس پچیس سال پہلے اکبر وفا قانی نے پندرہ روزہ "حسن کار" جاری کیا تو قیوم کو مجبور کر کے اس کے لئے تصویریں بنوائیں اور بڑی نفیس لیتھو کی تصویریں چھاپیں۔ اکبر کا تخیل، قیوم کی تصو کاری اعظم اسٹیم پریس کی لیتھو گرافی نے مل کر اس فن کے بڑے اچھے نمونے محفوظ کر دیے ہیں۔

شمس الاسلام پریس کے مالک غوث الدین نے آخر وقت میں اپنے داماد ریاست علی خوش نویس کو کتابت سکھا کر اپنے پریس میں ساتھ رکھا تھا جب ان کا انتقال ہو گیا تو ریاست علی نے بڑی ہی محنت اور خوش سلیقگی سے پریس کو چلایا اور تیس سال سے زیادہ عرصے تک ایک ہی ڈھنگ پر کام کرتے رہے۔ ریاست علی کی لکھی ہوئی کتابیں پمفلٹ پوسٹر اور رقعے اب تک لوگ نمونے کے طور پر رکھ کر فخر سے بتاتے ہیں افسوس ہے کہ گزشتہ سال ریاست علی نے انتقال کیا اب حیدرآباد کے پرانے خوش نویس کاتبوں میں عماد پریس کے مالک علی میاں رہ گئے ہیں جو بڑے اچھے خوش نویس اور کاتب ہیں۔

حیدرآباد کی لیتھو گرافی زیادہ ممنون ہے دارالطبع سرکار عالی اور دارالطبع جامعہ عثمانیہ کی، دارالطبع سرکاری جو اب گورنمنٹ سنٹرل پریس بن گیا ہے تقریباً ۷۵ سال سے قائم ہے جو بڑے اعلیٰ پیمانے پر کام کئے جا رہا ہے نستعلیق ٹائپ بھی اسی پریس کی ایجاد ہے جس کی تکمیل کا سہرا نظام الدین صاحب نائب ناظم کے سر ہے۔

دارالطبع جامعہ عثمانیہ نے اپنی کتابیں بڑی عمدگی سے طبع کیں چنانچہ اس محکمہ کے خوش نویس بھی بڑے ہی اچھے نستعلیق نویس تھے جن میں سے چند اب بھی باقی ہیں۔

اعظم اسٹیم پریس نے حیدرآباد کی طباعتی دنیا میں ایک انقلاب عظیم بپا کر دیا تھا اور بڑے ہی نفیس نمونے لیتھو گرافی کے پیش کئے تھے مگر افسوس ہے کہ یہ پریس اب بند پڑا ہوا ہے۔

(باقی)

> **چِٹ دیکھیے**
>
> اگر چِٹ کے گرد سرخ نشان ہے تو یہ اس امر کی علامت ہے کہ اس اشاعت سے دو اشاعتوں کے بعد آپ کی میعاد خریداری ختم ہو جائے گی مہربانی فرما کر ہماری زبان کی سالانہ قیمت صرف تین روپے منی آرڈر سے بھیجیے تاکہ یہ سلسلہ جاری رہے　(منیجر)

تبصرے

ضیا احمد بدایونی

رسول پاک کی صاحبزادیاں

از اعجاز الحق قدوسی

ناشر اسلامک پبلشرز حیدرآباد دکن قیمت بارہ آنے

آج کل جب کہ تقریباً تمام دنیائے اسلام افکار و خیالات ماند بود، وضع و قطع ہر چیز میں مغرب کی تقلید کو اپنے لئے طغرائے امتیاز سمجھتی ہے۔ اور کعبہ کی بجائے "ترکستان" کو اپنی منزل مقصود اور قبلہ امید قرار دئے ہوئے ہے۔ اور نہ صرف مرد بلکہ خواتین بھی آنکھیں بند کئے اسی جادہ پر گام زن ہیں۔ مبارک ہیں۔ ادارۂ اسلامک پبلشرز حیدرآباد دکن کے ارکان جنھوں نے قرون اولیٰ کے مقدس رجال اور خواتین کی سیرت کا سلسلہ شائع کرنے کا فیصلہ کیا ہے زیر نظر کتاب جناب اعجاز الحق قدوسی نے بچوں کے لئے نہایت آسان اور دلچسپ انداز میں لکھی ہے۔ اس میں رسول مقبول کی صاحبزادیوں کے حالات زندگی۔ ان کی اطاعت و محبت رسولؐ۔ ان کے تقویٰ و عبادت۔ زہد و قناعت شرم و حیا۔ صبر و رضا۔ خلوص و ایثار کا بیان بڑے موثر اور دل نشین طریقے سے کیا گیا ہے اور کتاب اپنے مقصد میں سو فیصدی کامیاب ہے۔ اگر نظر انصاف سے دیکھا جائے تو یہ اسوۂ حسنہ نہ صرف مسلمانوں بلکہ عام انسانوں کے لئے بھی شمع ہدایت کی حیثیت رکھتا ہے۔ بنات طاہرات خصوصاً حضرت سیدۃ النساءؑ کی مقدس زندگی کو اگر دستور العمل بنایا جائے تو دعوے کے ساتھ کہا جا سکتا ہے کہ ہماری عائلی زندگی آج بھی امن و راحت اور سکون و عافیت کی جنت بن سکتی ہے۔ اسی کے پیش نظر شاعر مشرق نے کہا تھا۔

مزرع تسلیم را حاصل بتول
مادراں را اسوۂ کامل بتول

یہ کتاب نہ صرف بچوں اور بچیوں کے لئے مفید اور سبق آموز ہے بلکہ تمام لوگ اس سے فائدہ اٹھا سکتے ہیں۔ قابل مصنف نے فٹ نوٹ میں ماخذوں کا حوالہ دے دیا ہے جس سے کتاب کی افادیت بڑھ گئی ہے۔ اسی کے ساتھ بچوں کے لئے آخر میں مشکل الفاظ کے معنی دے دئے گئے ہیں۔ ضرورت ہے کہ کوئی گھر اس کتاب سے خالی نہ رہے جناب سیدہ فاطمہ زہرا علیہا السلام کی عمر شریف کی نسبت روایت میں اضطراب معلوم ہوتا ہے۔ مصنف نے آپ کی عمر ۲۹ سال بتائی ہے یعنی اس حساب سے آپ کی ولادت بعثت نبوی سے ۵ سال پہلے ہوئی ہوگی۔ مگر یہ امر متفق علیہ ہے کہ جناب سیدہ کا عقد ۲ھ ہجری میں ہوا جب کہ آپ کا سن ساڑھے پندرہ سال تھا۔ اور وفات ۱۱ھ میں واقع ہوئی بنا بریں مسلّم ہے کہ آپ کی عمر ساڑھے چوبیس یا پچیس سال کی ہوئی اور آپ بعثت سے صرف ایک سال پہلے متولد ہوئیں۔ یہ درست ہے کہ بعض علما خصوصاً زرقانی نے ۲۹ ہی کو صحیح کہا ہے۔ لیکن دوسرے صحیح تر حساب کی موجودگی میں اس پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔

رسول اللہ کے دو محبوب

یہ کتاب بھی قدوسی صاحب کی تصنیف ہے اور مذکورہ بالا ناشرین ہی نے اسے شائع کیا ہے۔ قیمت ۸ر آنے۔

اس میں پیغمبر اسلام علیہ السلام کے دو محبوب صحابیوں حضرت زید بن حارثہ اور ان کے فرزند حضرت اسامہ کے سوانح حیات ہیں۔ حضرت زیدؓ کو کئی اعتبار سے تمام صحابہ کرام میں امتیاز حاصل ہے (۱) وہ سابقین اسلام میں ہیں بلکہ سب سے پہلے آزاد کردہ بزرگ ہیں جو مشرف بہ اسلام ہوئے

(۲) وہ واحد صحابی ہیں جن کا نام قرآن مجید میں آیا ہے

(۳) وہ صحابہ میں واحد شخص تھے جو پہلے زید بن محمد کے نام سے پکارے جاتے تھے۔

(۴) متبنی فرزند کے بارے میں جو عرب کا رواج تھا قرآن نے ان کے سلسلے میں اس کی منسوخی کا اعلان کیا۔

(۵) اگرچہ وہ آزاد کردہ غلام سمجھے جاتے تھے تاہم رسول پاک نے اپنی پھوپھی زاد بہن حضرت زینب سے ان کا نکاح کیا اور کئی بار تمام شرفائے قریش پر ان کو امیر بنایا۔

غرض حضرت زید کی رسول مقبول سے محبت اور آپ کی نظر میں زید کی محبوبیت مسلم ہے اسی کے ساتھ حضرت زید کا ایثار، جہاد میں شجاعت اور راہ حق میں شہادت تاریخ اسلام کے تابناک واقعات ہیں ان کے بیٹے حضرت اسامہ کو بھی بارگاہ رسالت میں اسی طرح مقبولیت اور محبوبیت کا شرف حاصل تھا۔ قدوسی صاحب نے یہ کتاب آسان اور دلکش انداز میں لکھ کر اردو اور اسلام کی صحیح خدمت انجام دی ہے یہ کتاب خصوصاً بچوں کے لئے لکھی گئی ہے لیکن بڑوں کے لئے بھی یکساں حد پر مفید ہے۔ عبارت کا انداز ہلکا پھلکا اور زبان صاف اور آسان ہے۔ ایک جگہ عبارت میں جھول نظر آیا صفحہ ۱۰ پر ہے "یہ نکاح اس خیال کو مٹانے کے لئے کیا تھا کہ شرافت کا تعلق اسلام میں خاندان، بڑوں اور مالداری سے نہیں بلکہ تقویٰ، پرہیزگاری اور نیکی سے ہے۔" یہ دراصل ذلت قدر ہے اور مصنف ذہن میں اتنی بات لکھ گئے کتاب کے آخر میں فرہنگ دے دی گئی ہے امید ہے کہ فاضل مصنف اس مفید سلسلے کو برابر جاری رکھیں گے۔

بقیہ مراسلات

اعجاز صدیقی

۲۲ نومبر کے ہماری زبان میں "نئے لکھنے والوں کے مسائل" پر سلیمان ظفر کی تحریر نظر سے گزری یہ نوجوان شاید میری بات کو نہ سمجھ سکے۔ دو تین باتوں کی وضاحت کر دینا ضروری سمجھتا ہوں۔

۱۔ "انجمن نوجوان مصنفین بمبئی" نے جس مسئلے کو صرف بمبئی ہی کے نئے ترقی پسند لکھنے والوں تک محدود سمجھا میں نے اسے ہندوستان اور پاکستان کے تمام نئے لکھنے والوں کا مسئلہ بنا کر پیش کیا ہے خواہ وہ ترقی پسند ہوں یا غیر ترقی پسند میرے مخاطب تنہا بمبئی نوجوان لکھنے والے نہیں

(۲) نئے لکھنے والوں پر میں نے اپنی رائے ٹھونسنے کی کوشش نہیں کی ہے بلکہ بعض عام کوتاہیوں اور کمزوریوں کی طرف اشارے کر کے نئے لکھنے والوں کو خود سوچنے اور غور کرنے کی دعوت دی ہے۔

(۳) یہ مقصد بھی نہیں کہ اردو میں اچھے نوجوان لکھنے والے سرے سے ہیں ہی نہیں۔ ضرور ہیں مگر بہت کم۔

(۴) شاعری اور افسانہ نگاری کا مرض جو وبا کی طرح پھیل گیا ہے جن کا املا اور انشا بھی درست نہیں وہ بھی ادیب اور شاعر بننے کے دعویدار ہیں میری سطحی نظر اس کی روک تھام بھی ہے۔

(۵) میری تحریر مخلصانہ اور ہمدردانہ ہے۔ نئے لکھنے والوں کو گرانا، دبانا اور مایوس کرنا مقصود نہیں بلکہ انھیں آگے بڑھانا ہے، میں نے اس مضمون میں اپنے گہرے فکر و تردد اور بے چینی کا اظہار کیا ہے میری دلی تمنا ہے کہ اردو میں بلند معیار نئے لکھنے والے پیدا ہوں۔ نوجوان مصنفین تقلید کاری سے باز رہیں اور گروہ بندی کا شکار نہ ہوں۔

بمبئی کے... ادیبوں اور شاعروں سے اس مسئلہ پر زبانی گفتگو بھی ہوئی۔ وہ بھی مجھ سے بڑی حد تک متفق ہیں، پھر بھی میں اپنی بات کو حرف آخر نہیں سمجھتا۔ جزوی اختلاف ممکن ہے ہاں مجموعی طور پر اس سے اتفاق ہی کیا جائے گا۔

ہماری بدقسمتی نئے لکھنے والوں کی زیادتی اور پڑھنے والوں کی کمی وعدم توجہی کی بنا پر اگر ہندوستان میں اس وقت دو ہی تین معیاری ادبی پرچے باقی رہ گئے ہیں تو اس کے معنی یہ نہیں ہیں کہ ان میں غیر معیاری تخلیقات بھر دی جائیں یا ہر روز نئے لکھنے والوں کی روزانہ تیس چالیس غزلوں، نظموں، ان کے بھیجے ہوئے دس بارہ افسانوں اور مقالوں کو فوری طور پر چھپ لیا جائے۔ ان کی اصلاح کی جائے ✻

✻ انھیں واپس کیا جائے۔

نئے لکھنے والے اپنے حلقۂ اثر سے ادبی رسائل کے کتنے خریدار بناتے ہیں، خود کتنے ادبی رسائل خرید کر پڑھتے ہیں؟ کیا ترقی کی بنیاد صرف چھپنا ہے؟ آخر نئے لکھنے والے ترقی کر کے چھپنا پسند کیوں نہیں کرتے؟

"ببیں تفاوت رہ از کجاست تا بہ کجا"
